

تھے۔ انہیں کئی بار دہکتے انگاروں پر لٹا کر اوپر سے پتھر رکھ دیا کہ وہ اٹھ نہ سکیں۔  
 زبیرؓ اور نہدیہؓ اور ان کی صاحبزادی اور اُمّ عیسیٰؓ یہ سب لونڈیاں تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور مشرکین کے ہاتھوں اسی طرح کی سنگین سزاؤں سے دوچار ہوئیں جن کے چند نمونے ذکر کئے جا چکے ہیں۔ قبیلہ بنی عدی کے ایک خانوادے بنی موئل کی ایک لونڈی مسلمان ہوئی تو انہیں حضرت عمر بن خطابؓ جو بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس قدر مارتے تھے کہ مارتے مارتے خود تھک جاتے تھے اور اس کے بعد کہتے تھے کہ میں نے تجھے کسی مروت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض تھک جانے کی وجہ سے چھوڑا ہے۔<sup>۳۹</sup>

آخر کار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال اور عامر بن فہیرہ کی طرح ان لونڈیوں کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔<sup>۴۰</sup>

مشرکین نے سزا کی ایک شکل یہ بھی اختیار کی تھی کہ بعض بعض صحابہ کو اونٹ اور گائے کی کچھی کھال میں لپیٹ کر دھوپ میں ڈال دیتے تھے اور بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے ہوئے پتھر پر لٹا دیتے تھے۔ یہ درحقیقت اللہ کی راہ میں ظلم و جور کا نشانہ بننے والوں کی فہرست بڑی لمبی ہے اور بڑی تکلیف دہ بھی۔ حالت یہ تھی کہ جس کسی کے مسلمان ہونے کا پتہ چل جاتا تھا مشرکین اس کے درپے آزار ہو جاتے تھے۔

ان ستم رازیوں کے مقابل حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو قولا اور عملاً دو دنوں طرح اسلام کے اظہار سے روک دیں اور ان کے ساتھ خفیہ طریقے پر اکٹھے ہوں کیونکہ اگر آپ ان کے ساتھ کھلم کھلا اکٹھا ہوتے تو مشرکین آپ کے تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب حکمت کے کام میں یقیناً رکاوٹ ڈالتے اور اس کے نتیجے میں فریقین کے درمیان تصادم ہو سکتا تھا بلکہ عملاً ستم نبوت میں ہو بھی چکا تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ صحابہ کرام گھاٹیوں میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک بار کفار قریش کے کچھ لوگوں نے دیکھ لیا تو گالم گلوچ اور لڑائی جھگڑے پر اتر آئے جو اب حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایک شخص کو ایسی ضرب لگائی کہ اس کا خون بہ پڑا اور یہ پہلا خون تھا جو اسلام میں بہایا گیا۔<sup>۴۱</sup>

۳۷ رحمة للعالمین ۵۷/۱ تلمیح الفیوم ص ۳۵ زبیرہ بردن مسکینہ، یعنی زکوزیر اور لون کوزیر اور تشدید  
 ۳۸ رحمة للعالمین ۵۷/۱ ابن ہشام ۳۱۹/۱ - ۳۱۸/۱ ابن ہشام ۳۱۸، ۳۱۹  
 ۳۹ رحمة للعالمین ۵۸/۱ - ۴۲ ابن ہشام ۲۶۳/۱ مختصر السیرہ محمد بن عبدالوہاب ص ۶

یہ واضح ہی ہے کہ اگر اس طرح کا ٹکڑا دوبارہ بار بار ہوتا اور طول پکڑ جاتا تو مسلمانوں کے خاتمے کی نوبت آسکتی تھی لہذا حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ کام پس پردہ کیا جائے۔ چنانچہ عام صحابہ کرام اپنا اسلام اپنی عبادت اپنی تبلیغ اور اپنے باہمی اجتماعات سب کچھ پس پردہ کرتے تھے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ تبلیغ کا کام بھی مشرکین کے روبرو کھلم کھلا انجام دیتے تھے اور عبادت کا کام بھی۔ کوئی چیز آپ کو اس سے روک نہیں سکتی تھی، تاہم آپ بھی مسلمانوں کے ساتھ خود ان کی مصلحت کے پیش نظر خفیہ طور سے جمع ہوتے تھے۔ ادھر اترقم بن ابی الارقم مخزومی کا مکان کوہ صفا پر سرکشوں کی نگاہوں اور ان کی مجلسوں سے دور الگ تھلگ واقع تھا۔ اس لیے آپ نے پانچویں سنہ نبوت سے اسی مکان کو اپنی دعوت اور مسلمانوں کے ساتھ اپنے اجتماع کا مرکز بنا لیا۔

**پہلی ہجرت حبشہ** | جو رستم کا مذکورہ سلسلہ نبوت کے چوتھے سال کے درمیان یا آخر میں شروع ہوا تھا اور ابتداء معمولی تھا مگر دن بدن اور ماہ ب ماہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ نبوت کے پانچویں سال کا وسط آتے آتے اپنے شباب کو پہنچ گیا حتیٰ کہ مسلمانوں کے لیے مکہ میں رہنا دوبھر ہو گیا۔ اور انہیں ان پیہم ستم رانیوں سے نجات کی تدبیر سوچنے کے لیے مجبور ہو جانا پڑا۔ ان ہی سنگین اور تاریک حالات میں سورۃ کہف نازل ہوئی۔ یہ اصلاً تو مشرکین کے پیش کردہ سوالات کے جواب میں تھی لیکن اس میں جو تین واقعات بیان کئے گئے ان واقعات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لیے مستقبل کے بارے میں نہایت طبع اشارات تھے چنانچہ اصحاب کہف کے واقعے میں یہ درس موجود ہے کہ جب دین و ایمان خطرے میں ہو تو کفر و ظلم کے مراکز سے ہجرت کے لیے تہ تیغ پڑنا چاہیے، ارشاد ہے:

وَإِذْ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يُعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهُ فَأَوْأَىٰ إِلَىٰ الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مَرْفَقًا ۝ (۱۶: ۱۸)

” اور جب تم ان سے اور اللہ کے سوا ان کے دوسروں کے معبودوں سے الگ ہو گئے تو غار میں پناہ گیر ہو جاؤ، تمہارا رب تمہارے لیے اپنی رحمت پھیلا دے گا۔ اور تمہارے کام کے لیے تمہاری سہولت کی چیز تمہیں ہتھیارے گا“  
 موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نتائج ہمیشہ ظاہری حالات کے مطابق نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات ظاہری حالات کے بالکل برعکس ہوتے ہیں لہذا اس واقعے

میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ پنہاں ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اس وقت جو ظلم و تشدد برپا ہے اس کے نتائج بالکل برعکس نکلیں گے اور یہ سرکش مشرکین اگر ایمان نہ لائے تو آئندہ ان ہی مقہور و مجبور مسلمانوں کے سامنے سزگوں ہو کر اپنی قیمت کے فیصلے کے لیے پیش ہوں گے۔

ذوالقرنین کے واقعے میں چند خاص باتوں کی طرف اشارہ ہے۔

۱- یہ کہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔

۲- یہ کہ فلاح و کامرانی ایمان ہی کی راہ میں ہے، کفر کی راہ میں نہیں۔

۳- یہ کہ اللہ تعالیٰ رہ رہ کر اپنے بندوں میں سے ایسے افراد کھڑے کرتا رہتا ہے جو مجبور و مقہور انسانوں کو اس دور کے یا جوج و ماجوج سے نجات دلاتے ہیں۔

۴- یہ کہ اللہ کے صالح بندے ہی زمین کی وراثت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

پھر سورہ کہف کے بعد سورہ زمر کا نزول ہوا اور اس میں ہجرت کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اور بتایا گیا کہ اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے:

لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (۱۰۱:۲۹)

”جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کی ان کے لیے اچھائی ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔ صبر کرنے والوں کو ان

کا اجر بلا حساب دیا جائے گا“

ادھر رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ اصحماہ نجاشی شاہ حبش ایک عادل بادشاہ ہے۔ وہاں کسی ظلم نہیں ہوتا اس لیے آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ فتنوں سے اپنے دین کی حفاظت کے لیے حبشہ ہجرت کر جائیں۔ اس کے بعد ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق حبشہ نبوی میں صحابہ کرام کے پہلے گروہ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ اس گروہ میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ حضرت عثمان بن عفان ان کے امیر تھے اور ان کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ بھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔

یہ لوگ رات کی تاریکی میں چپکے سے نکل کر اپنی نئی منزل کی جانب روانہ ہوئے۔ رازداری

کا مقصد یہ تھا کہ قریش کو اس کا علم نہ ہو سکے۔ رُخ بھرا حمر کی بندرگاہ شُعْبَةُ کی جانب تھا۔ خوش قسمتی سے وہاں دو تجارتی کشتیاں موجود تھیں جو انہیں اپنے دامنِ عافیت میں لے کر سمندر پار حبشہ چلی گئیں۔ قریش کو کسی قدر بعد میں ان کی روانگی کا علم ہو سکا۔ تاہم انہوں نے پیچھا کیا اور ساحل تک پہنچے لیکن صحابہ کرام آگے جا چکے تھے، اس لیے نامراد واپس آئے۔ ادھر مسلمانوں نے حبشہ پہنچ کر بڑے چین کا سانس لیا۔ اسی سال رمضان شریف میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی ﷺ ایک باہرم تشریف لے گئے۔ وہاں قریش کا بہت بڑا مجمع تھا۔ ان کے سردار اور بڑے بڑے لوگ جمع تھے۔ آپ نے ایک دم اچانک کھڑے ہو کر سورہ نجم کی تلاوت شروع کر دی۔ ان کفار نے اس سے پہلے عموماً قرآن سنا تھا کیونکہ ان کا دائمی وطیرہ قرآن کے الفاظ میں یہ تھا کہ:

لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ○ (۲۶:۲۱)

”اس قرآن کو مت سنا اور اس میں غلطی نہ ہو۔ (ادھر ہم مجاہد تاکہ تم غالب رہو“

لیکن جب نبی ﷺ نے اچانک اس سورہ کی تلاوت شروع کر دی۔ اور ان کے کانوں میں ایک ناقابل بیان رعنائی و دلکشی اور عظمت لئے ہوئے کلامِ الہی کی آواز پڑی تو انہیں کچھ ہوش نہ رہا۔ سب کے سب گوش بر آواز ہو گئے کسی کے دل میں کوئی اور خیال ہی نہ آیا۔ یہاں تک کہ جب آپ نے سورہ کے آخر میں دل ہلا دینے والی آیات تلاوت فرما کر اللہ کا یہ حکم سنایا کہ:

فَاتَّجِدُوا لِلَّهِ وَأَعْبُدُوا ○ (۶۲:۵۳)

”اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو“

اور اس کے ساتھ ہی سجدہ فرمایا تو کسی کو اپنے آپ پر قابو نہ رہا اور سب کے سب سجدے میں گر پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر حق کی رعنائی و جلال نے ٹنگیرین و مشہرین کی ہٹ دھرمی کا پردہ چاک کر دیا تھا اس لیے انہیں اپنے آپ پر قابو نہ رہ گیا تھا اور وہ بے اختیار سجدے میں گر پڑے تھے۔

بعد میں جب انہیں احساس ہوا کہ کلامِ الہی کے جلال نے ان کی لگام موڑ دی۔ اور وہ ٹھیک وہی کام کر بیٹھے جسے مٹلنے اور ختم کرنے کے لیے انہوں نے اڑھی سے چوٹی تک کا زور لگا رکھا

تھا اور اس کے ساتھ ہی اس واقعے میں غیر موجود مشرکین نے ان پر ہر طرف سے عتاب اور طامت کی بوجھاڑ شروع کی تو ان کے ہاتھوں کچھ طوطے اڑ گئے اور انہوں نے اپنی جان چھڑانے کے لیے رسول اللہ ﷺ پر یہ افترا پردازی کی اور یہ جھوٹ گھڑا کہ آپ نے ان کے بتوں کا ذکر عورت و احترام سے کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ:

يَلِكَ الْغَرَائِقُ الْعُلَى، وَإِنَّ شَفَاعَتَهُمْ لَتُرْتَجَى

”یہ بلند پایہ دیویاں ہیں۔ اور ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے“

حالانکہ یہ مریخ جھوٹ تھا جو محض اس لیے گھڑ لیا گیا تھا تا کہ نبی ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے کی جو غلطی ہو گئی ہے اس کے لیے ایک ”معتول“ عذر پیش کیا جاسکے۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ نبی ﷺ پر ہمیشہ جھوٹ گھڑتے اور آپ کے خلاف ہمیشہ دسیہ کاری اور افترا پردازی کرتے رہے تھے وہ اپنا دامن بچانے کے لیے اس طرح کا جھوٹ کیوں نہ گھڑتے بیگہ

بہر حال مشرکین کے سجدہ کرنے کے اس واقعے کی خبر حبشہ کے مہاجرین کو بھی معلوم ہوئی لیکن اپنی اصل صورت سے بالکل ہٹ کر یعنی انہیں یہ معلوم ہوا کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ماہ شوال میں مکہ واپسی کی راہ لی لیکن جیب اتنے قریب آگئے کہ مکہ ایک دن سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا تو حقیقت حال آشکارا ہوئی۔ اس کے بعد کچھ لوگ تو سیدھے حبشہ پلٹ گئے اور کچھ لوگ چھپ چھپا کر یا قریش کے کسی آدمی کی پناہ لیکر مکے میں داخل ہوئے بیگہ

اس کے بعد ان مہاجرین خصوصاً اور مسلمانوں پر عموماً قریش کا ظلم و تشدد بجا رہا اور بڑھ گیا اور ان **دوسری ہجرت حبشہ** کے خاندان والوں نے انہیں خوب ستایا کیونکہ قریش کو ان کے ساتھ نجاشی کے حسن سلوک کی جو خبر ملی تھی اس پر وہ نہایت عین بہ جہیں تھے۔ ناچار رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو پھر ہجرت حبشہ کا مشورہ دیا، لیکن یہ دوسری ہجرت پہلی ہجرت کے بالمقابل اپنے دامن میں زیادہ مشکلات لیے ہوئے تھی۔ کیونکہ اب کی بار قریش پہلے سے ہی چونکا تھے اور ایسی کسی کوشش کو ناکام بنانے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔ لیکن مسلمان ان سے کہیں زیادہ مستعد ثابت ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے سفر آسان بنا دیا چنانچہ وہ قریش کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی شاہ حبش کے پاس پہنچ گئے۔

گذشتہ سے پرستا دیکھئے باب سبحة النجم اور باب سجود المسلمین والمشرکین ۱۴۶/۱ اور باب ما لقی النبی ﷺ واصحابہ بمکہ ۵۴۲/۱

عقلمندان نے اس روایت کے تمام طروق کے تحلیل و تجزیے کے بعد یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔

۵۴۲ زاد المعاد ۱/۲۰۲، ۲۴۲/۲۰، ابن ہشام ۱/۳۶۲۔

اس دفعہ کل ۸۲ یا ۸۳ مردوں نے ہجرت کی (حضرت عمار کی ہجرت مختلف قیہ ہے) اور اٹھارہ یا نیس عورتوں نے ۹ گئے علامہ منصور پوریؒ نے یقین کے ساتھ عورتوں کی تعداد اٹھارہ لکھی ہے۔

مشرکین کو سخت قلق تھا کہ مسلمان اپنی جان  
**مہاجرین عیشہ کے خلاف قریش کی سازش** اور اپنا دین بچا کر ایک پڑامن جگہ بھاگ

گئے ہیں۔ لہذا انہوں نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو جو گہری سمجھ بوجھ کے مالک تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے ایک اہم سفارتی مہم کے لیے منتخب کیا اور ان دونوں کو نجاشی اور بظریقوں کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے بہترین تحفے اور ہدیے دے کر حبش روانہ کیا۔ ان دونوں نے پہلے حبش پہنچ کر بظریقوں کو تحائف پیش کئے۔ پھر انہیں اپنے ان دلائل سے آگاہ کیا، جن کی بنیاد پر وہ مسلمانوں کو حبش سے منکھواتا چاہتے تھے۔ جب بظریقوں نے اس بات سے اتفاق کر لیا کہ وہ نجاشی کو مسلمانوں کے نکال دینے کا مشورہ دیں گے تو یہ دونوں نجاشی کے حضور حاضر ہوئے اور تحفے تحائف پیش کر کے اپنا مدعا یوں عرض کیا،

”اے بادشاہ! آپ کے ملک میں ہمارے کچھ ناسمجھ نوجوان بھاگ آئے ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم

کا دین چھوڑ دیا ہے۔ لیکن آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جسے ہم جانتے ہیں۔ آپ ہمیں آپکی خدمت میں انہی کی بابت ان کے والدین چھاؤں اور کنبے قبیلے کے عمائدین نے بھیجا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ انہیں ان کے پاس واپس بھیجیں کیونکہ وہ لوگ ان پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں اور ان کی خامی اور عتاب کے اسباب کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔“ جب یہ دونوں اپنا مدعا عرض کر چکے تو بظریقوں نے کہا:

”بادشاہ سلامت! یہ دونوں ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ آپ ان جوانوں کو ان دونوں کے حوالے کر دیں۔ یہ دونوں انہیں ان کی قوم اور ان کے ملک میں واپس پہنچادیں گے۔“

لیکن نجاشی نے سوچا کہ اس قضیہ کو گہرائی سے کھنگالنا اور اس کے تمام پہلوؤں کو سننا ضروری ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ مسلمان یہ تہیہ کر کے اس کے دربار میں آئے کہ ہم سچ ہی بولیں گے خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ جب مسلمان آگئے تو نجاشی نے پوچھا یہ کونسا دین ہے جس کی بنیاد پر تم نے اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر لی ہے، لیکن میرے دین میں بھی داخل نہیں ہوتے ہو۔ اور نہ ان ملتوں ہی میں سے کسی کے دین میں داخل ہوتے ہو؟

مسلمانوں کے ترجمان حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اے بادشاہ! ہم ایسی

قوم تھے جو جاہلیت میں مبتلا تھی۔ ہم بُت پوجتے تھے، مُردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے۔ قرابتداروں سے تعلق توڑتے تھے، ہمسایوں سے بدسلوکی کرتے تھے اور ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا اس کی عالی نسب، سچائی، امانت اور پاکہ امنی ہمیں پہلے سے معلوم تھی۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلا یا اور سمجھایا کہ ہم صرف ایک اللہ کو مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس کے سوا جن پتھروں اور بُتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے، انہیں چھوڑ دیں۔ اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، قرابت جوڑنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے اور حرام کاری و خوزیزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اور فواحش میں ملوث ہونے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاکہ امن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اس نے ہمیں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ اسی طرح حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے کام گنائے، پھر کہا: ”ہم نے اس پیغمبر کو سچا مانا، اس پر ایمان لائے، اور اس کے لائے ہوئے دین خداوندی میں اس کی پیروی کی۔ چنانچہ ہم نے صرف اللہ کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا اور جن باتوں کو اس پیغمبر نے حرام بتایا انہیں حرام مانا، اور جن کو حلال بتایا انہیں حلال جانا۔ اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی۔ اس نے ہم پر ظلم و ستم کیا اور ہمیں ہمارے دین سے پھیرنے کے لیے فتنے اور سزاؤں سے دوچار کیا۔ تاکہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر بت پرستی کی طرف پلٹ جائیں۔ اور جن گندی چیزوں کو حلال سمجھتے تھے انہیں پھر حلال سمجھنے لگیں۔ جب انہوں نے ہم پر بہت قہر و ظلم کیا، زمین تنگ کر دی اور ہمارے درمیان اور ہمارے دین کے درمیان روک بن کر کھڑے ہو گئے تو ہم نے آپ کے ملک کی راہ لی۔ اور دوسروں پر آپ کو ترجیح دیتے ہوئے آپ کی پناہ میں رہنا پسند کیا۔ اور یہ امید کی کہ اے بادشاہ! آپ کے پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

نجاشی نے کہا: ”وہ پیغمبر جو کچھ لائے ہیں اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہے؟“

حضرت جعفر نے کہا: ”ہاں!“

نجاشی نے کہا: ”تو مجھے بھی پڑھ کر سناؤ۔“

حضرت جعفر نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی۔ نجاشی کے تمام اسقف بھی حضرت جعفر کی تلاوت سن کر اس قدر رشے کہ ان کے صحیفے تر ہو گئے۔ پھر نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کر آئے تھے۔ دونوں ایک ہی شمع دان سے نکلے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد نجاشی نے عمرؤ بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ۔ میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا اور نہ یہاں ان کے خلاف کوئی چال چلی جاسکتی ہے۔

اس حکم پر وہ دونوں وہاں سے نکل گئے۔ لیکن پھر عمرؤ بن عاص نے عبداللہ بن ربیعہ سے کہا: خدا کی قسم! کل ان کے متعلق ایسی بات لاؤں گا کہ ان کی ہریالی کی جڑ کاٹ کر رکھ دوں گا۔ عبداللہ بن ربیعہ نے کہا: نہیں۔ ایسا نہ کرنا۔ ان لوگوں نے اگرچہ ہمارے خلاف کہا ہے۔ لیکن میں بہر حال ہمارے اپنے ہی کنبے قبیلے کے لوگ۔ مگر عمرؤ بن عاص اپنی رائے پر اڑے رہے۔

اگلا دن آیا تو عمرؤ بن عاص نے نجاشی سے کہا: اے بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں ایک بڑی بات کہتے ہیں۔ اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بلا بھیجا۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مسلمان کیا کہتے ہیں۔ اس دفعہ مسلمانوں کو گھبراہٹ ہوئی۔ لیکن انہوں نے طے کیا کہ سچ ہی بولیں گے۔ نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو۔ چنانچہ جب مسلمان نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اور اس نے سوال کیا تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”ہم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ نے کر آئے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری پاکدامن حضرت مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا تھا۔“

اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکے اٹھایا اور بولا: خدا کی قسم! جو کچھ تم نے کہا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اس تنکے کے برابر بھی بڑھ کر نہ تھے۔ اس پر بطریقوں نے ”ہونہہ“ کی آواز لگائی۔ نجاشی نے کہا: اگرچہ تم لوگ ”ہونہہ“ کہو۔

اس کے بعد نجاشی نے مسلمانوں سے کہا: جاؤ! تم لوگ میرے قلمرو میں امن و امان سے ہو۔ جو تمہیں گالی دے گا اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ مجھے گوارا نہیں کہ تم میں سے میں کسی آدمی کو

ستاؤں اور اس کے بدلے مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے۔“

اس کے بعد اس نے اپنے حاشیہ نشینوں سے مخاطب ہو کر کہا: ان دونوں کو ان کے ہدیے واپس کر دو۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے جب مجھے میرا ملک واپس کیا تھا تو مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی کہ میں اس کی راہ میں رشوت لوں۔ نیز اللہ نے میرے بارے میں لوگوں کی بات قبول نہ کی تھی کہ میں اللہ کے بارے میں لوگوں کی بات مانوں۔“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے اس واقعے کو بیان کیا ہے، کہتی ہیں اس کے بعد وہ دونوں اپنے ہدیے نختے لیے بے آبرو ہو کر واپس چلے گئے اور ہم نجاشی کے پاس ایک اچھے ملک میں ایک اچھے پڑوسی کے زیر سایہ مقیم رہے۔ ۱۵

یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ دوسرے سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ نجاشی کے دربار میں حضرت عمرو بن عاصؓ کی حاضری جنگ بدر کے بعد ہوئی تھی۔ بعض لوگوں نے تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کی واپسی کے لیے دو مرتبہ گئے تھے، لیکن جنگ بدر کے بعد کی حاضری کے ضمن میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور نجاشی کے درمیان سوال و جواب کی جو تفصیلات بیان کی جاتی ہیں وہ تقریباً وہی ہیں جو ابن اسحاق نے ہجرت حبشہ کے بعد کی حاضری کے سلسلے میں بیان کی ہیں۔ پھر ان سوالات کے مضامین سے واضح ہوتا ہے کہ نجاشی کے پاس یہ معاملہ ابھی پہلی بار پیش ہوا تھا، اس لیے ترجیح اس بات کو حاصل ہے کہ مسلمانوں کو واپس لانے کی کوشش صرف ایک بار ہوئی تھی۔ اور وہ ہجرت حبشہ کے بعد تھی۔

بہر حال مشرکین کی چال ناکام ہو گئی اور ان کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ اپنے جذبہ عداوت کو اپنے دائرہ اختیار ہی میں آسودہ کر سکتے ہیں؛ لیکن اس کے نتیجے میں انہوں نے ایک خوفناک بات سوچنی شروع کر دی۔ درحقیقت انہیں اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ اس ”مصیبت“ سے نمٹنے کے لیے اب ان کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے ہیں، یا تو رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ سے بزور طاقت روک دیں یا پھر آپ کے وجود ہی کا صفایا کر دیں۔ لیکن دوسری صورت حد درجہ مشکل تھی کیونکہ ابوطالب آپ کے محافظ تھے اور مشرکین کے عزائم کے سامنے

آہنی دیوار بنے ہوئے تھے۔ اس لیے ہی مفید سمجھا گیا کہ ابوطالب سے دو دو باتیں ہو جائیں۔

ابوطالب کو قریش کی دھمکی | اس تجویز کے بعد سرداران قریش ابوطالب کے پاس حاضر ہوئے اور بولے: "ابوطالب! آپ ہمارے اندر

سن و شرف اور اعزاز کے مالک ہیں۔ ہم نے آپ سے گزارش کی کہ اپنے بھتیجے کو روکئے۔ لیکن آپ نے نہیں روکا۔ آپ یاد رکھیں ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو گالیاں دی جائیں، ہماری عقل و فہم کو حاققت زدہ قرار دیا جائے اور ہمارے خداؤں کی عیب بینی کی جائے۔ آپ روک دیجئے ورنہ ہم آپ سے اور ان سے ایسی جنگ چھیڑ دیں گے کہ ایک فریق کا صفایا ہو کر رہے گا۔"

ابوطالب پر اس زور دار دھمکی کا بہت زیادہ اثر ہوا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہا: "بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسی ایسی باتیں کہہ گئے ہیں۔ اب مجھ پر اور خود اپنے آپ پر رحم کرو اور اس معاملے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہے۔"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کہ اب آپ کے چچا بھی آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور وہ بھی آپ کی مدد سے کمزور پڑ گئے ہیں۔ اس لیے فرمایا: "چچا جان! خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں کہ میں اس کام کو اس حد تک پہنچائے بغیر چھوڑ دوں کہ یا تو اللہ اسے غالب کر دے یا میں اسی راہ میں فنا ہو جاؤں تو نہیں چھوڑ سکتا۔"

اس کے بعد آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ آپ رو پڑے اور اٹھ گئے، جب واپس ہونے لگے تو ابوطالب نے پکارا اور سامنے تشریف لائے تو کہا: "بھتیجے! جاؤ جو چاہو کہو، خدا کی قسم میں تمہیں کبھی بھی کسی وجہ سے چھوڑ نہیں سکتا۔" ۵۲ اور یہ اشعار کہے:

وَاللّٰهِ لَنْ يَصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ      حَتّٰى اَوْسَدَ فِى التُّرَابِ دَفِيْنًا  
فَاَصْدَعْ بِاَمْرِكَ مَا عَلَيْنِكَ غَضًا ضَةً      وَابْتِرْ وَقَدْ بَدَاكَ مِنْكَ عِيُوْنَا

"خدا وہ لوگ تمہارے پاس اپنی جمعیت سب سے بھی ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ یہاں تک کہ میں

مٹی میں دفن کر دیا جاؤں۔ تم اپنی بات کھلم کھلا کہو۔ تم پر کوئی قدرغن نہیں، تم خوش ہو جاؤ اور تمہاری آنکھیں اس سے ٹھنڈی ہو جائیں۔“

قریش ایک بار پھر ابوطالب کے سامنے | پچھلی دھمکی کے باوجود جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ

اپنا کام کئے جا رہے ہیں تو ان کی سمجھ میں آ گیا کہ ابوطالب رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ نہیں سکتے، بلکہ اس بارے میں قریش سے جدا ہونے اور ان کی عداوت مول لینے کو تیار ہیں چنانچہ وہ لوگ ولید بن مغیرہ کے لڑکے عمارہ کو ہمراہ لے کر ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے یوں عرض کیا:

”اے ابوطالب! یہ قریش کا سب سے بانکا اور خوبصورت نوجوان ہے۔ آپ لے لے لیں۔ اس کی دیت اور نصرت کے آپ حقدار ہوں گے۔ آپ اسے اپنا لڑکا بنا لیں۔ یہ آپ کا ہو گا اور آپ اپنے اس بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیں جس نے آپ کے آباؤ اجداد کے دین کی مخالفت کی ہے، آپ کی قوم کا شیرازہ منتشر کر رکھا ہے اور ان کی عقلوں کو حماقت سے دوچار بتلایا ہے۔ ہم اسے قتل کریں گے۔ بس یہ ایک آدمی کے بدلے ایک آدمی کا حساب ہے۔“

ابوطالب نے کہا: ”خدا کی قسم! کتنا بُرا سودا ہے جو تم لوگ مجھ سے کر رہے ہو! تم اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں۔ پالوں پوسوں اور میرا بیٹا مجھ سے طلب کرتے ہو کہ اسے قتل کر دو۔ خدا کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا۔“

اس پر نوفل بن عبدمناف کا پوتا مُطعم بن عدی بولا: ”خدا کی قسم! اے ابوطالب! تم سے تمہاری قوم نے انصاف کی بات کہی ہے۔ اور جو صورت تمہیں ناگوار ہے اس سے بچنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم ان کی کسی بات کو قبول نہیں کرنا چاہتے۔“

جواب میں ابوطالب نے کہا: ”خدا تم لوگوں نے مجھ سے انصاف کی بات نہیں کی ہے بلکہ تم بھی میرا ساتھ چھوڑ کر میرے مخالف لوگوں کی مدد پر تکیے بیٹھے ہو تو ٹھیک ہے جو چاہو کرو۔“ ۵۲

سیرت کے ماخذ میں پچھلی دونوں گفتگو کے زمانے کی تعیین نہیں ملتی لیکن قرآن و شواہد

سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں گفتگو سترہ نبوی کے وسط میں ہوئی تھیں اور دونوں کے درمیان فاصلہ مختصر ہی تھا۔

نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے قتل کی تجویز | ان دونوں گفتگوؤں کی ناکامی کے بعد قریش کا جذبہ جو روستم اور بھی بڑھ گیا اور ایذا رسانی

کا سلسلہ پہلے سے فزوں تر اور سخت تر ہو گیا۔ ان ہی دنوں قریش کے سرکشوں کے دماغ میں نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے خاتمے کی ایک تجویز ابھری لیکن یہی تجویز اور یہی سختیاں مکہ کے جانبازوں میں سے دو نادرہ روزگار سر فروشوں، یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور ان کے ذریعے اسلام کو تقویت پہنچانے کا سبب بن گئیں۔ جو روجفا کے سلسلہ دراز کے ایک دو نمونے یہ ہیں کہ ایک روز ابوہب کا بیٹا عقیبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور یوں: "میں وَالْتَجَمِ إِذَا هَوَىٰ" اور "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى" کے ساتھ کفر کرتا ہوں۔ اس کے بعد وہ آپ پر ایذا رسانی کے ساتھ مسلط ہو گیا۔ آپ کا گڑا پھاڑ دیا اور آپ کے چہرے پر تھوک دیا۔ اگرچہ تھوک آپ پر نہ پڑا۔ اسی موقع پر نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بددعا کی کہ اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے۔ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی یہ بددعا قبول ہوئی۔ چنانچہ عقیبہ ایک بار قریش کے کچھ لوگوں کے ہمراہ سفر میں گیا۔ جب انہوں نے ملک شام کے مقام زرقا میں پڑاؤ ڈالا تو رات کے وقت شیر نے ان کا چکر لگایا۔ عقیبہ نے دیکھتے ہی کہا: "ہائے میری تباہی! یہ خدا کی قسم مجھے کھا جائے گا۔ جیسا کہ محمد ﷺ نے مجھ پر بددعا کی ہے۔ دیکھو میں شام میں ہوں۔ لیکن اس نے مکہ میں رہتے ہوئے مجھے مار ڈالا۔" احتیاطاً لوگوں نے عقیبہ کو اپنے اور جانوروں کے گھیرے کے بیچوں بیچ سلایا۔ لیکن رات کو شیر سب کو پھلانگتا ہوا سیدھا عقیبہ کے پاس پہنچا۔ اور سر پکڑ کر ذبح کر ڈالا۔ ۵۵

ایک بار عقیبہ بن ابی مُسَيْط نے رسول اللہ ﷺ کی گردن حالت سجدہ میں اس زور

سے روندی کہ معلوم ہوتا تھا دونوں آنکھیں نکل آئیں گی۔ ۵۶

ابن اسحاق کی ایک طویل روایت سے بھی قریش کے سرکشوں کے اس ارادے پر

۵۵ مختصر السیرۃ شیخ عبد اللہ ص ۱۳۵، استیعاب، اصابع، دلائل النبوة، الروض الالنف

۵۶ ایضاً مختصر السیرہ ص ۱۱۳

روشنی پڑتی ہے کہ وہ نبی ﷺ کے خاتمے کے چکر میں تھے، چنانچہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار ابو جہل نے کہا:

"برادرانِ قریش! آپ دیکھتے ہیں کہ محمد ﷺ ہمارے دین کی عیب چینی ہمارے آبا و اجداد کی بدگوئی، ہماری عقلوں کی تخفیف اور ہمارے معبودوں کی تذلیل سے باز نہیں آتا۔ اس لیے میں اللہ سے عہد کر رہا ہوں کہ ایک بہت بھاری اور مشکل اٹھنے والا پتھر لے کر بیٹھوں گا اور جب وہ سجدہ کرے گا تو اسی پتھر سے اس کا سر کچل دوں گا۔ اب اس کے بعد چاہے تم لوگ مجھ کو بے یار و مددگار چھوڑ دو، چاہے میری حفاظت کرو۔ اور بنو عبد مناف بھی اس کے بعد جو جی چاہے کریں۔ لوگوں نے کہا: "نہیں واللہ ہم تمہیں کبھی کسی معاملے میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتے۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو۔"

صبح ہوئی تو ابو جہل ویسا ہی ایک پتھر لے کر رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ حسب دستور تشریف لاتے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ قریش بھی اپنی اپنی مجلسوں میں آپکے تھے۔ اور ابو جہل کی کارروائی دیکھنے کے منتظر تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ سجدے میں تشریف لے گئے تو ابو جہل نے پتھر اٹھایا۔ پھر آپ کی جانب بڑھا۔ لیکن جب قریب پہنچا تو شکست خوردہ حالت میں واپس بھاگا۔ اس کا رنگ فق تھا اور وہ اس قدر مرعوب تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پتھر پر چپک کر رہ گئے تھے۔ وہ بمشکل ہاتھ سے پتھر پھینک سکا۔ ادھر قریش کے کچھ لوگ اٹھ کر اس کے پاس آئے اور کہنے لگے: "ابو الحکم! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" اس نے کہا: "میں نے رات جو بات کہی تھی وہی کرنے جا رہا تھا لیکن جب اس کے قریب پہنچا تو ایک اونٹ آڑے آ گیا۔ بنجھ میں نے کبھی کسی اونٹ کی ویسی کھوپڑی ویسی گردن اور ویسے دانت دیکھے ہی نہیں۔ وہ مجھے کھا جانا چاہتا تھا۔"

ابن اسحاق کہتے ہیں: "مجھے بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ جبریل علیہ السلام تھے۔ اگر ابو جہل قریب آتا تو اسے دھر کپڑتے" ۷۷

اس کے بعد ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک ایسی حرکت کی جو حضرت

حزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بن گئی۔ تفصیل آ رہی ہے۔

جہاں تک قریش کے دوسرے بڑے معاشوں کا تعلق ہے تو ان کے دلوں میں بھی نبی ﷺ کے خاتمے کا خیال برابر پک رہا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے ابن اسحاق نے ان کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ایک بار مشرکین حطیم میں جمع تھے۔ میں بھی موجود تھا۔ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر چھیڑا اور کہنے لگے، اس شخص کے معاملے میں ہم نے جیسا صبر کیا ہے اس کی مثال نہیں۔ درحقیقت ہم نے اس کے معاملے میں بہت ہی بڑی بات پر صبر کیا ہے۔ یہ گفتگو چل ہی رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نمودار ہو گئے۔ آپ نے تشریف لاکر پہلے حجر اسود کو چوما پھر طواف کرتے ہوئے مشرکین کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے کچھ کہہ کر طعنہ زنی کی جس کا اثر میں نے آپ کے چہرے پر دیکھا۔ اس کے بعد جب دوبارہ آپ کا گزر ہوا تو مشرکین نے پھر اسی طرح کی لعن طعن کی۔ میں نے اس کا بھی اثر آپ کے چہرے پر دیکھا۔ اس کے بعد آپ سہ بارہ گزرے تو مشرکین نے پھر آپ پر لعن طعن کی۔ اب کی بار آپ ٹھہر گئے اور فرمایا:

”قریش کے لوگو! سن رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس (تمہارے) قتل و ذبح (کا حکم) لے کر آیا ہوں۔“

آپ کے اس ارشاد نے لوگوں کو پکڑ لیا۔ ان پر ایسا سکتہ طاری ہوا کہ گویا ہر آدمی کے سر پر چڑیا ہے، یہاں تک کہ جو آپ پر سب سے زیادہ سخت تھا وہ بھی بہتر سے بہتر لفظ جو پا سکتا تھا اس کے ذریعے آپ سے طلبِ گارِ رحمت ہوتے ہوئے کہنے لگا کہ ابوالقاسم! واپس جائیے۔ خدا کی قسم! آپ کبھی بھی نادان نہ تھے؟

دوسرے دن قریش پھر اسی طرح جمع ہو کر آپ کا ذکر کر رہے تھے کہ آپ نمودار ہوئے۔ دیکھتے ہی سب رکیجان ہو کر ایک آدمی کی طرح آپ پر پل پڑے اور آپ کو گھیر لیا۔ پھر میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے گلے کے پاس سے آپ کی چادر پکڑ لی۔ راور بل دینے لگا۔ ابوبکرؓ آپ کے بچاؤ میں لگ گئے۔ وہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

”اَتَقْتُلُونَ رَجُلًا اِنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ؟“ کیا تم لوگ ایک آدمی کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟ اس کے بعد وہ لوگ آپ کو چھوڑ کر پلٹ گئے۔ بعد اللہ

بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ یہ سب سے سخت ترین ایذا رسانی تھی جو میں نے قریش کو کبھی کرتے ہوئے دیکھی۔ ۵۵ انتہی ملخصاً

صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ان کا بیان مروی ہے کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ مشرکین نے نبی ﷺ کے ساتھ جو سب سے سخت ترین بدسلوکی کی تھی آپ مجھے اس کی تفصیل بتائیے؟۔ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقیبہ بن ابی معیط آگیا۔ اُس نے آتے ہی اپنا کپڑا آپ کی گردن میں ڈال کر نہایت سختی کے ساتھ آپ کا گلا گھونٹا۔ اتنے میں ابو بکرؓ آپہنچے۔ اور انہوں نے اس کے دونوں کندھے پکڑ کر دھکا دیا اور اسے نبی ﷺ سے دُور کرتے ہوئے فرمایا اَتَقْتُلُونَ رَجُلًا اَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ! تم لوگ ایک آدمی کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے! ۵۹

حضرت اسماء کی روایت میں مزید تفصیل ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس یہ چیخ پہنچی کہ اپنے ساتھی کو بچاؤ۔ وہ جھٹ ہمارے پاس سے نکلے۔ ان کے سر پر چار چوٹیاں تھیں۔ وہ یہ کہتے ہوئے گئے کہ اَتَقْتُلُونَ رَجُلًا اَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ! تم لوگ ایک آدمی کو محض اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ مشرکین نبی ﷺ کو چھوڑ کر ابو بکرؓ پر پل پڑے۔ وہ واپس آئے تو حالت یہ تھی کہ ہم ان کی چوٹیوں کا جو بال بھی چھوتے تھے، وہ ہماری رچلی کے ساتھ چلا آتا تھا۔ ۵۹

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

مکہ کی فضا ظلم و جور کے ان سیاہ بادلوں سے گمبھیر تھی کہ اچانک ایک بجلی چمکی اور مقہوروں کا راستہ روشن ہو گیا، یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ ۶ سالہ نبوی کے اخیر کا ہے اور اغلب یہ ہے کہ وہ ماہ ذی الحجہ میں مسلمان ہوئے تھے ان کے اسلام لانے کا سبب یہ ہے کہ ایک روز ابو جہل کوہ صفا کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گذرنا آپ کو ایذا پہنچائی اور سخت سُست کہا۔ رسول اللہ ﷺ

خاموش رہے، اور کچھ بھی نہ کہا لیکن اس کے بعد اس نے آپ کے سر پر ایک پتھر دے مارا، جس سے ایسی چوٹ آئی کہ خون بہ نکلا۔ پھر وہ خانہ کعبہ کے پاس قریش کی مجلس میں جا بیٹھا۔ عبد اللہ بن جدعان کی ایک لونڈھی کو وہ صفا پر واقع اپنے مکان سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کمان حائل کئے شکار سے واپس تشریف لائے تو اس نے ان سے ابو جہل کی ساری حرکت کہہ سنائی۔ حضرت حمزہ غصے سے بھر پک اٹھے۔ یہ قریش کے سب سے طاقتور اور مضبوط جوان تھے۔ ماجرا سن کر کہیں ایک لمحہ کے بغیر دوڑتے ہوئے اور یہ تہیہ کئے ہوئے آتے کہ جوں ہی ابو جہل کا سامنا ہوگا، اس کی مرمت کر دیں گے۔ چنانچہ مسجد حرام میں داخل ہو کر سیدھے اس کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور بولے: "اوسرین پر خوشبو لگانے والے بزدل! تو میرے بھتیجے کو گالی دیتا ہے حالانکہ میں بھی اسی کے دین پر ہوں۔" اس کے بعد کمان سے اس زور کی مار ماری کہ اس کے سر پر بدترین قسم کا زخم آ گیا۔ اس پر ابو جہل کے قبیلے بنو مخزوم اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبیلے بنو ہاشم کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف بھر پک اٹھے۔ لیکن ابو جہل نے یہ کہہ کر انہیں خاموش کر دیا کہ ابو عمارہ کو جانے دو۔ میں نے واقعی اس کے بھتیجے کو بہت بڑی گالی دی تھی۔ اللہ

ابتداءً حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام محض اس حیثیت کے طور پر تھا کہ ان کے عزیز کی توہین کیوں کی گئی۔ لیکن پھر اللہ نے ان کا سینہ کھول دیا۔ اور انہوں نے اسلام کا کڑا مضبوطی سے تمام یا اللہ اور مسلمانوں نے ان کی وجہ سے بڑی عزت و قوت محسوس کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام | ظلم و طغیان کے سیاہ بادلوں کی اسی گھبیر فضا میں ایک اور برق تاباں کا جلوہ نمودار ہوا جس

کی چمک پہلے سے زیادہ خیرہ کن تھی، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ نبوی کا ہے۔ اللہ۔ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے صرف تین دن بعد مسلمان ہوئے تھے اور نبی ﷺ نے ان کے اسلام لانے کے لیے دعا کی تھی۔ چنانچہ امام ترمذی نے ابن عمر سے روایت کی ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے۔ اسی طرح طبرانی نے حضرت ابن مسعود

۱۲۱ مختصر السیرہ شیخ محمد بن عبد الوہاب ص ۶۶ رحمۃ للعالمین ۱/۶۸، ابن ہشام ۱/۲۹۱ و ۲۹۲

۱۲۲ اس کا اندازہ مختصر السیرہ شیخ عبد اللہ میں مذکور ایک روایت سے ہوتا ہے۔ دیکھئے ص ۱۰۱

۱۲۳ تاریخ عمر بن الخطاب لابن جوزی ص ۱۱

اور حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اللَّهُمَّ اَعِزَّ اِسْلَامَ بِاَحِبِّ الرَّجُلَيْنِ اِلَيْكَ بِعَمْرِ بْنِ الْخَطَّابِ اَوْ بِابْنِ  
جَهْلِ بْنِ هَشَامٍ .

”اے اللہ! عمر بن خطاب اور ابو جہل بن ہشام میں سے جو شخص تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے  
اس کے ذریعے سے اسلام کو قوت پہنچا۔“

اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہو گئے اللہ کے نزدیک ان دونوں  
میں زیادہ محبوب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ ۶۴

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے متعلق جملہ روایات پر مجموعی نظر ڈالنے سے واضح  
ہوتا ہے کہ ان کے دل میں اسلام رفتہ رفتہ جاگزیں ہوا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات  
کا خلاصہ پیش کرنے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج اور جذبات و احساسات کی طرف  
بھی مختصراً اشارہ کر دیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی تند مزاجی اور سخت خوئی کے لیے مشہور تھے۔ مسلمانوں نے  
طویل عرصے تک ان کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں جھیلی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں  
متضاد قسم کے جذبات باہم دست و گریباں تھے، چنانچہ ایک طرف تو وہ آبار و اجداد کی  
ریباد کردہ رسموں کا بڑا احترام کرتے تھے اور بلا نوشی اور لہو و لعب کے دلدادہ تھے لیکن  
دوسری طرف وہ ایمان و عقیدے کی راہ میں مسلمانوں کی پختگی اور مصائب کے سلسلے میں ان  
کی قوت برداشت کو خوشگوار حیرت و پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پھر ان کے اندر کسی  
بھی عقلمند آدمی کی طرح شکوک و شبہات کا ایک سلسلہ تھا جو رہ رہ کر ابھرا کرتا تھا کہ اسلام جس  
بات کی دعوت دے رہا ہے غالباً وہی زیادہ برتر اور پاکیزہ ہے۔ اسی لیے ان کی کیفیت  
دم میں ماشہ دم میں تولہ کی سی تھی کہ ابھی بھڑکے اور ابھی ڈھیلے پڑ گئے۔ ۶۵

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق تمام روایات کا خلاصہ مع جمع و تطبیق  
— یہ ہے کہ ایک دفعہ انہیں گھر سے باہر رات گزارنی پڑی۔ وہ حرم تشریف لائے اور  
خانہ کعبہ کے پردے میں گھس گئے۔ اس وقت نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ اور سورہ

۶۴ ترمذی ابواب التائب! مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب ۲/۲۰۹

۶۵ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات کا یہ تجزیہ شیخ محمد غزالی نے کیا ہے۔ فقہ السیرہ ص ۹۲، ۹۳

الحاقہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن سننے لگے اور اس کی تالیف پر حیرت زدہ رہ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے جی میں کہا: خدا کی قسم یہ تو شاعر ہے جیسا کہ قریش کہتے ہیں۔ لیکن اتنے میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۖ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ ۚ (۳۷/۳۰:۶۹)

”یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے۔ یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے — اپنے جی میں — کہا: (اوهو) یہ تو کاہن ہے۔ لیکن اتنے میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَلَا يَقُولِ كَاهِنٌ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۚ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (۳۲/۲۲:۶۹)  
(بالی آخر السجدة)

”یہ کسی کاہن کا قول بھی نہیں۔ تم لوگ کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔“

(اخیر سورہ نمک)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت میرے دل میں اسلام جاگزیں ہو گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام کا بیج پڑا، لیکن ابھی ان کے اندر جاہلی جذبات، تقلیدی عصبیت اور آباء و اجداد کے دین کی عظمت کے احساس کا چھلکا اتنا مضبوط تھا کہ نہاں خانہ دل کے اندر چھپنے والی حقیقت کے مغز پر غالب رہا، اس لیے وہ اس چھلکے کی تہ میں چھپے ہوئے شعور کی پروا کئے بغیر اپنے اسلام دشمن عمل میں سرگرم رہے۔

ان کی طبیعت کی سختی اور رسول اللہ ﷺ سے فرط عداوت کا یہ حال تھا کہ ایک روز خود جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا کام تمام کرنے کی نیت سے تلوار لے کر نکل پڑے

۱۲۶ تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۶-۱ ابن اسحاق نے عطار اور مجاہد سے بھی تقریباً یہی بات نقل کی ہے البتہ اس کا آخری ٹکڑا اس سے مختلف ہے۔ دیکھئے سیرۃ ابن ہشام ۱/۲۴۶، ۲۴۸-۲۴۹ اور خود ابن جوزی نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی کے قریب قریب روایت نقل کی ہے لیکن اس کا آخری حصہ بھی اس روایت سے مختلف ہے۔ دیکھئے تاریخ عمر بن الخطاب ص ۹-۱۰

لیکن ابھی راستے ہی میں تھے کہ نَعِیم بن عبد اللہ النخام عدویؒ سے یا بنی زہرہؒ یا بنی مخزومؒ کے کسی آدمی سے ملاقات ہو گئی۔ اُس نے تیور دیکھ کر پوچھا: "عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا: "محمد ﷺ کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔" اس نے کہا: "محمد ﷺ کو قتل کر کے نبوہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچ سکو گے؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "معلوم ہوتا ہے تم بھی اپنا پچھلا دین چھوڑ کر بے دین ہو چکے ہو۔" اس نے کہا: "عمر! ایک عجیب بات نہ بتا دوں تمہاری بہن اور بہنوئی بھی تمہارا دین چھوڑ کر بے دین ہو چکے ہیں۔" یہ سن کر عمر غصے سے بے فتابو ہو گئے اور سیدھے بہن بہنوئی کا رخ کیا۔ وہاں انہیں حضرت خباب بن ارتؓ سورہ طہ پر مشتمل ایک صحیفہ پڑھا رہے تھے اور قرآن پڑھانے کے لیے وہاں آنا جانا حضرت خبابؓ کا معمول تھا۔ جب حضرت خبابؓ نے حضرت عمرؓ کی آہٹ سنی تو گھر کے اندر چھپ گئے۔ ادھر حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ نے صحیفہ چھپا دیا؛ لیکن حضرت عمرؓ گھر کے قریب پہنچ کر حضرت خبابؓ کی قنوت سن چکے تھے؛ چنانچہ پوچھا کہ یہ کیسی دھیمی دھیمی سی آواز تھی جو تم لوگوں کے پاس میں نے سنی تھی؟ انہوں نے کہا: "کچھ بھی نہیں۔ بس ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "غالباً تم دونوں بے دین ہو چکے ہو؟" بہنوئی نے کہا: "اچھا عمر! یہ بتاؤ اگر حق تمہارے دین کے بجائے کسی اور دین میں ہو تو؟" حضرت عمرؓ کا اتنا سننا تھا کہ اپنے بہنوئی پر چڑھ بیٹھے اور انہیں بڑی طرح کچل دیا۔ ان کی بہن نے پک کر انہیں اپنے شوہر سے الگ کیا تو بہن کو ایسا چاٹنا مارا کہ چہرہ خون آلود ہو گیا۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ان کے سر میں چوٹ آئی۔ بہن نے جوش غضب میں کہا: "عمر! اگر تیرے دین کے بجائے دوسرا ہی دین برحق ہو تو؟" اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ۔ میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں شہادت دیتی ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ پر مایوسی کے بادل چھا گئے اور انہیں اپنی بہن کے چہرے پر خون دیکھ کر شرم و ندامت بھی محسوس ہوئی۔ کہنے لگے: "اچھا یہ کتاب جو تمہارے پاس ہے ذرا مجھے بھی پڑھنے کو دو۔"

۶۷ یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ دیکھئے ابن ہشام ۱/۳۴۴  
 ۶۸ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دیکھئے تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی، ص ۱۰۔ و مختصر السیرة از شیخ عبد اللہ ص ۱۰۳  
 ۶۹ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دیکھئے مختصر السیرة ایضاً ص ۱۰۲

بہن نے کہا! تم ناپاک ہو۔ اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ اٹھو غسل کرو! حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا۔ پھر کتاب لی اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھی۔ کہنے لگے: یہ تو بڑے پاکیزہ نام ہیں۔ اس کے بعد طہ سے اِسْتَنْیَ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاَعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْ ۝ (۱۱۳:۱:۲۱) تک قراءت کی۔ کہنے لگے: یہ تو بڑا عمدہ اور بڑا محترم کلام ہے۔

مجھے محمد ﷺ کا پتا بتاؤ!

حضرت خبابؓ حضرت عمرؓ کے یہ فقرے سن کر اندر سے باہر آگئے۔ کہنے لگے: "عمر خوش ہو جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعرات کی رات تمہارے متعلق جو دعا کی تھی رکھے اللہ! عمر بن خطاب یا ابو جہل بن ہشام کے ذریعے اسلام کو قوت پہنچا، یہ وہی ہے۔ اور اس وقت رسول اللہ ﷺ کوہ صفا کے پاس والے مکان میں تشریف فرما ہیں۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار حمال کی اور اس گھر کے پاس آکر دروازے پر دستک دی۔ ایک آدمی نے اُٹھ کر دروازے کی دراز سے بھانکا تو دیکھا کہ عمر تلوار حمال کے موجود ہیں۔ پیکر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی اور سارے لوگ سمٹ کر یکجا ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا: عمرؓ ہیں۔ حضرت حمزہؓ نے کہا: بس! عمرؓ ہے دروازہ کھول دو۔ اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو اسے ہم خیر عطا کریں گے۔ اور اگر کوئی بُرا ارادہ لے کر آیا ہے تو ہم اسی کی تلوار سے اُس کا کام تمام کر دیں گے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ اندر تشریف فرما تھے۔ آپؐ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وحی نازل ہو چکی تو حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے۔ بیٹھک میں ان سے ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے انکے کپڑے اور تلوار کا پرتلاسمیٹ کر پکڑا اور سختی سے جھٹکتے ہوئے فرمایا: "عمر! کیا تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر بھی ویسی ہی ذلت و رسوائی اور عبرتناک سزا نازل نہ فرمادے جیسی ولید بن مغیرہ پر نازل ہو چکی ہے؟ یا اللہ! یہ عمر بن خطاب ہے۔ یا اللہ! اسلام کو عمر بن خطاب کے ذریعے قوت و عزت عطا فرما۔" آپؐ کے اس ارشاد کے بعد حضرت عمرؓ نے حلقہ بگوشش اسلام ہوتے ہوئے کہا:

أشهد أن لا إله إلا الله وإنيك رسول الله -

"میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

یہ سن کر گھر کے اندر موجود صحابہؓ نے اس زور سے تکبیر کہی کہ مسجد حرام والوں

سنائی پڑی۔ معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ کی زور آوری کا حال یہ تھا کہ کوئی اُن سے مقابلے کی جرأت نہ کرتا تھا اس لیے ان کے مسلمان ہو جانے سے مشرکین میں کہرام مچ گیا اور انہیں بڑی ذلت و رسوائی محسوس ہوئی۔ دوسری طرف ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بڑی عزت و قوت، شرف و اعزاز اور مسرت و شادمانی حاصل ہوئی چنانچہ ابن اسحاق نے اپنی سند سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان روایت کیا ہے کہ جب میں مسلمان ہوا تو میں نے سوچا کہ کئے کا کون شخص رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا اور سخت ترین دشمن ہے؟ پھر میں نے جی ہی جی میں کہا، یہ ابو جہل ہے۔ اس کے بعد میں نے اس کے گھر جا کر اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر آیا اور دیکھ کر بولا: اھلاً و سہلاً (خوش آمدید، خوش آمدید) کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا، تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اُس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لا چکا ہوں اور جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کر چکا ہوں۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی (اس نے میرے رُخ پر دروازہ بند کر لیا اور بولا!) اللہ تیرا بڑا کرے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کا بھی بڑا کرے! ۱۷

امام ابن جوزی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تو لوگ اس کے پیچھے پڑ جاتے۔ اسے زد و کوب کرتے۔ اور وہ بھی انہیں مارتا، اس لیے جب میں مسلمان ہوا تو اپنے ماموں عاصی بن ہاشم کے پاس گیا اور اُسے خبر دی۔ وہ گھر کے اندر گھس گیا۔ پھر قریش کے ایک بڑے آدمی کے پاس گیا۔ شاید ابو جہل کی طرف اشارہ ہے۔ اور اسے خبر دی وہ بھی گھر کے اندر گھس گیا۔ ۱۸

ابن ہشام اور ابن جوزی کا بیان ہے کہ جب حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو جمیل بن معرجی کے پاس گئے۔ یہ شخص کسی بات کا ڈھول پیٹنے میں پورے قریش کے اندر سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے بتایا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس نے سنتے ہی نہایت بلند آواز سے چیخ کر کہا کہ خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ اس کے پیچھے ہی تھے۔ بولے، یہ جھوٹ کہتا ہے۔ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ بہر حال لوگ حضرت عمرؓ پر ٹوٹ پڑے اور مار پیٹ شروع ہو گئی۔ لوگ حضرت عمرؓ کو مار رہے تھے اور حضرت عمرؓ لوگوں کو مار رہے تھے یہاں تک کہ سورج

۱۷ تاریخ عمر بن الخطاب ص ۱۰۰، ۱۱۱، مختصر السیرۃ شیخ عبد اللہ ص ۱۰۲، ۱۰۳، سیرت ابن ہشام ۱/۳۲۳ تا ۳۲۶

۱۸ ابن ہشام ۱/۳۲۹، ۳۵۰، ۱۷۷ تاریخ عمر بن الخطاب ص ۸

سر پر آگیا اور حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے۔ لوگ سر پر سوار تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا جو بن پڑے کر لو۔ خدا کی قسم اگر ہم لوگ تین سو کی تعداد میں ہوتے تو پھر نکلے میں یا تم ہی رہتے یا ہم ہی رہتے۔ ۴۳

اس کے بعد مشرکین نے اس ارادے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر پر ہڈ بول دیا کہ انہیں جان سے مار ڈالیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ خوف کی حالت میں گھر کے اندر تھے کہ اس دوران ابو عمرو عاص بن وائلؓ بھی آگیا۔ وہ دھاری دار یعنی چادر کا جوڑا اور ریشمی گوٹے سے آراستہ کڑتا زیب تن کئے ہوئے تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ ہہم سے تھا اور یہ قبیلہ جاہلیت میں ہمارا حلیف تھا۔ اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں، اس لیے آپ کی قوم مجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔ عاص نے کہا: "یہ ممکن نہیں"۔ عاص کی یہ بات سن کر مجھے اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد عاص وہاں سے نکلا اور لوگوں سے ملا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ لوگوں کی بھیڑ سے وادی کچھ بھری ہوئی تھی۔ عاص نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ لوگوں نے کہا یہی خطاب کا بیٹا مطلوب ہے جو بے دین ہو گیا ہے۔ عاص نے کہا: "اس کی طرف کوئی راہ نہیں"۔ یہ سنتے ہی لوگ واپس چلے گئے۔ ۴۴ ابن اسحاق کی ایک روایت میں ہے کہ واللہ ایسا لگتا تھا گویا وہ لوگ ایک کپڑا تھے جسے اس کے اوپر سے جھٹک کر پھینک دیا گیا۔ ۴۵

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر یہ کیفیت تو مشرکین کی ہوئی تھی۔ باقی رہے مسلمان تو ان کے احوال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مجاہد نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عمرؓ بن الخطاب سے دریافت کیا کہ کس وجہ سے آپ کا لقب فاروق پڑا؟ تو انہوں نے کہا مجھ سے تین دن پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کر کے اخیر میں کہا کہ پھر جب میں مسلمان ہوا تو — میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں خواہ زندہ رہیں خواہ مریں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ حق پر ہو خواہ زندہ رہو خواہ موت سے دوچار ہو۔

۴۳ ایضاً ص ۸ - ابن ہشام ۱/۳۲۸، ۳۲۹

۴۴ صحیح بخاری باب اسلام عمر بن الخطاب ۱/۵۴۵ ۴۵ ابن ہشام ۱/۳۲۹

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ تب میں نے کہا کہ پھر چھینا کیسا؟ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ہم ضرور باہر نکلیں گے۔ چنانچہ ہم دو صفوں میں آپؐ کو ہمراہ لے کر باہر آئے۔ ایک صف میں حمزہؓ تھے اور ایک میں میں تھا۔ ہمارے چلنے سے چکی کے آنے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ قریش نے مجھے اور حمزہؓ کو دیکھا تو ان کے دلوں پر ایسی چوٹ لگی کہ اب تک نہ لگی تھی۔ اسی دن رسول اللہ ﷺ نے میرا لقب فاروق رکھ دیا۔ ۷۷

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا۔ ۷۸

حضرت صہیب بن ریحان رومی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو اسلام پر دے سے باہر آیا۔ اس کی علانیہ دعوت دی گئی۔ ہم حلقے لگا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھے بیت اللہ کا طواف کیا، اور جس نے ہم پر سختی کی اس سے انتقام لیا اور اس کے بعض مظالم کا جواب دیا۔ ۷۹

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب سے حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تب سے ہم برابر طاقتور اور باعزت رہے۔ ۸۰

قریش کا نمائندہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں | ان دونوں بطل جلیل

یعنی حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کے مسلمان ہوجانے کے بعد ظلم و طغیان کے بادل چھٹنا شروع ہو گئے اور مسلمانوں کو جو رستم کا تختہ مشق بنانے کے لیے مشرکین پر جو بدستی چھائی تھی اس کی جگہ سوجھ بوجھ نے یعنی شروع کی۔ چنانچہ مشرکین نے یہ کوشش کی کہ اس دعوت سے نبی ﷺ کا جو منشا اور مقصود ہو سکتا ہے اسے فراواں مقدار میں فراہم کرنے کی پیشکش کر کے آپؐ کو آپؐ کی دعوت و تبلیغ سے باز رکھنے کے لیے سودے بازی کی جاتے لیکن ان غریبوں کو پتہ نہ تھا کہ وہ پوری کائنات جس پر سورج طلوع ہوتا ہے، آپؐ کی دعوت کے مقابل پر کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی اس لیے انہیں اپنے اس منصوبے میں ناکام و نامراد ہونا پڑا۔

۷۶ تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۷۹ ۷۷ مختصر السیرہ للشیخ عبد اللہ ص ۱۰۳

۷۸ تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۱۳

۷۹ صحیح البخاری؛ باب اسلام عمر بن الخطاب ۱/۴۵۵

ابن اسحاق نے یزید بن زیاد کے واسطے سے محمد بن کعب قرظی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ مجھے بتایا گیا کہ عقبہ بن ربیعہ نے جو سردار قوم تھا، ایک روز قریش کی محفل میں کہا — اور اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں ایک جگہ تنہا تشریف فرماتے — کہ قریش کے لوگو! کیوں نہ میں محمد کے پاس جا کر ان سے گفتگو کروں، اور ان کے سامنے چند امور پیش کروں، ہو سکتا ہے وہ کوئی چیز قبول کر لیں۔ تو جو کچھ وہ قبول کر لیں گے، اسے دے کر ہم انہیں اپنے آپ سے باز رکھیں گے؟ — یہ اس وقت کی بات ہے۔ جب حضرت محمدؐ نے مسلمان ہو چکے تھے اور مشرکین نے یہ دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد برابر بڑھتی ہی جا رہی ہے —

مشرکین نے کہا ابوالولید! آپ جایتے اور ان سے بات کیجئے۔ اس کے بعد عقبہ اٹھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ پھر بولا: "بھتیجے! ہماری قوم میں تمہارا جو مرتبہ و مقام ہے اور جو بلند پایہ نسب ہے وہ تمہیں معلوم ہی ہے۔ اور اب تم اپنی قوم میں ایک بڑا معاملہ کر آئے ہو جس کی وجہ سے تم نے ان کی جماعت میں تفرقہ ڈال دیا، ان کی عقلوں کو حماقت سے دوچار قرار دیا۔ ان کے معبودوں اور ان کے دین کی عیب چینی کی۔ اور ان کے جو آباؤ اجداد گذر چکے ہیں انہیں کافر ٹھہرایا۔ لہذا میری بات سنو! میں تم پر چند باتیں پیش کر رہا ہوں، ان پر غور کرو۔ ہو سکتا ہے کوئی بات قبول کر لو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوالولید کہو! میں سنوں گا۔ ابوالولید نے کہا: "بھتیجے! یہ معاملہ جسے تم لے کر آئے ہو اگر اس سے تم یہ چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم تمہارے لیے اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ؛ اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اعزاز و مرتبہ حاصل کرو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنائے لیتے ہیں یہاں تک کہ تمہارے بغیر کسی معاملہ کا فیصلہ نہ کریں گے؛ اور اگر تم چاہتے ہو کہ بادشاہ بن جاؤ تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں؛ اور اگر یہ جو تمہارے پاس آتا ہے کوئی جن بھوت ہے جسے تم دیکھتے ہو لیکن اپنے آپ سے دفع نہیں کر سکتے تو ہم تمہارے لیے اس کا علاج تلاش کئے دیتے ہیں اور اس سلسلے میں ہم اپنا اتنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں کہ تم شغیاب ہو جاؤ؛ کیونکہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن بھوت انسان پر غالب آجاتا ہے اور اس کا علاج کروانا پڑتا ہے۔"

عقبہ یہ باتیں کہتا رہا۔ اور رسول اللہ ﷺ سنتے رہے۔ جب فارغ ہو چکا تو آپ نے فرمایا: ابوالولید تم فارغ ہو گئے؟ اُس نے کہا: "ہاں۔" آپ نے فرمایا: اچھا اب میری سنو! اس نے

کہا: ٹھیک ہے۔ سنوں گا۔ آپ نے فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَمَّ ۝ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرٰاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ  
یَعْلَمُوْنَ ۝ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ فَاَعْرَضَ اَکْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا  
فِیْ اَكْتٰیةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ ۝ (۳۱: ۱-۵)

"م۔ یہ رحمن و رحیم کی طرف سے نازل کی ہوئی ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔  
عربی قرآن ان لوگوں کیلئے جو علم رکھتے ہیں۔ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگوں نے اعراض کیا اور  
وہ سنتے نہیں۔ کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کیلئے ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ الخ"

رسول اللہ ﷺ آگے پڑھتے جا رہے تھے۔ اور عقبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر  
ٹیکے چُپ چاپ سُننا جا رہا تھا۔ جب آپ سجدے کی آیت پر پہنچے تو آپ نے سجدہ کیا پھر فرمایا،  
"ابوالولید! تمہیں جو کچھ سُننا تھا سن چکے اب تم جانو اور تمہارا کام جانے۔"

عقبہ اٹھا اور بیدھا اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ اُسے آتا دیکھ کر مشرکین نے آپس میں  
ایک دوسرے سے کہا: "خدا کی قسم! ابوالولید تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہا ہے جو چہرہ لے کر  
گیا تھا۔ پھر جب ابوالولید آکر بیٹھ گیا تو لوگوں نے پوچھا: "ابوالولید! پیچھے کی کیا خبر ہے؟" اس نے کہا:  
"پیچھے کی خبر یہ ہے کہ میں نے ایک ایسا کلام سُننا ہے کہ ویسا کلام واللہ میں نے کبھی نہیں سُننا۔ خدا کی  
قسم وہ نہ شعر ہے نہ جادو، نہ کہانت، قریش کے لوگو! میری بات مانو اور اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ  
دو۔ (میری رائے یہ ہے کہ) اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ کر الگ تھلگ بیٹھ رہو۔ خدا کی قسم میں  
نے اس کا جو قول سُننا ہے اس سے کوئی زبردست واقعہ رونما ہو کر رہے گا۔ پھر اگر اس شخص کو عرب  
نے مار ڈالا تو تمہارا کام دوسروں کے ذریعے انجام پا جائے گا۔ اور اگر یہ شخص عرب پر  
غائب آ گیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی؛ اور  
اس کا وجود سب سے بڑھ کر تمہارے لیے سعادت کا باعث ہوگا۔ لوگوں نے کہا: "ابوالولید! خدا  
کی قسم تم پر بھی اس کی زبان کا جادو چل گیا۔" عقبہ نے کہا: "اس شخص کے بارے میں میری رائے یہی  
ہے اب تمہیں جو ٹھیک معلوم ہو کرو۔" ۵

ایک دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے جب تلاوت شروع کی تو عنیبہ چپ چاپ سنتا رہا، جب آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر پہنچے:

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صِيعَةً مِّثْلَ صِيعَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ۝ (۱۳:۴۱)

پس اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہہ دو کہ میں تمہیں عادی و ثمود کی کڑک جیسی ایک کڑک کے خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں۔

تو عنیبہ تھرا کر کھڑا ہو گیا اور یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے منہ پر رکھ دیا کہ میں آپ کو اللہ کا اور قرابت کا واسطہ دیتا ہوں کہ ایسا نہ کریں، اسے خطرہ تھا کہ کہیں یہ ڈراوا آن نہ پڑے۔ اس کے بعد وہ قوم کے پاس گیا اور مذکورہ گفتگو ہوئی۔

ابوطالب بنی ہاشم اور بنی مُطَلِّب کو جمع کرتے ہیں | حالات کی رفتار بدل چکی تھی۔ گرد و پیش

کے ماحول میں فرق آچکا تھا، لیکن ابوطالب کے اندیشے برقرار تھے۔ انہیں مشرکین کی طرف سے اپنے بھتیجے کے متعلق برابر خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ وہ پچھلے واقعات پر برابر غور کر رہے تھے۔ مشرکین نے انہیں مقابلہ آرائی کی دھمکی دی تھی۔ پھر ان کے بھتیجے کو عمارہ بن ولید کے عوض حاصل کر کے قتل کرنے کے لیے سودے بازی کی کوشش کی تھی۔ ابوہل ایک بھاری پتھر لے کر ان کے بھتیجے کا سر کھینے اٹھا تھا۔ عُقبۃ بن ابی مُعِیْط نے چادر لپیٹ کر گلا گھونٹنے اور مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ خطاب کا بیٹا تلوار لے کر ان کا کام تمام کرنے نکلا تھا۔ ابوطالب ان واقعات پر غور کرتے تو انہیں ایک ایسے سنگین خطرے کی بُو محسوس ہوتی جس سے ان کا دل کانپ اٹھتا۔ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ مشرکین ان کا عہد توڑنے اور ان کے بھتیجے کو قتل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ اور ان حالات میں خدا نخواستہ اگر کوئی مشرک اچانک آپ پر ٹوٹ پڑا تو حمزہ یا عمر یا اور کوئی شخص کیا کام دے سکے گا۔

ابوطالب کے نزدیک یہ بات یقینی تھی اور بہر حال صحیح بھی تھی کیونکہ مشرکین اعلیٰ رسول اللہ ﷺ کے قتل کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اور ان کے اسی فیصلے کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں

اشارہ ہے :

أَمْ أَرْمُؤًا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ○ (۴۹:۴۳)

”اگر انہوں نے ایک بات کا تہیہ کر رکھا ہے تو ہم بھی تہیہ کئے ہوئے ہیں۔“

اب سوال یہ تھا کہ ان حالات میں ابوطالب کو کیا کرنا چاہیے! انہوں نے جب دیکھا کہ قریش ہر جانب سے ان کے بھتیجے کی مخالفت پر تل پڑے ہیں تو انہوں نے اپنے جدِ اعلیٰ عبدمناف کے دو صاحبزادوں ہاشم اور مُطَلِّب سے وجود میں آنے والے خاندانوں کو جمع کیا اور انہیں دعوت دی کہ اب تک وہ اپنے بھتیجے کی حفاظت و حمایت کا جو کام تنہا انجام دیتے رہے ہیں اب اسے سب مل کر انجام دیں۔ ابوطالب کی یہ بات عربی حمیت کے پیش نظر ان دونوں خاندانوں کے سارے سلم اور کافر افراد نے قبول کی۔ البتہ صرف ابوطالب کا بھائی ابولہب ایک ایسا فرد تھا جس نے اُسے منظور نہ کیا اور سارے خاندان سے الگ ہو کر مشرکین قریش سے جا ملا اور اُن کا ساتھ دیا۔ ۸۲

